© rasailojaraid.com

حجاج ابراہیمی

اور

نمرودی مغالطہ

از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن

برہان ۱۹۴۵ء دسمبر میں "حجاج ابراہیمی" کے متعلق جن ملاحظ و نقاط نظر کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ان کو دیکھ کر فقیر میں بھی اپنے ایک پرانے خیال کو اہل علم وفکر کے حلقہ میں عرض کرنے کی جرأت پیدا ہوئی ہے گویا ایک "خیال مدفون" کے احیار کا موقعہ نکل آیا۔ مجھے اپنے اس خیال پر اصرار نہیں ہے اگر کوتاہیوں پر مجھے مطلع کیا جائے گا تو انشاء اللہ اپنی اصلاح کے قبول کرنے سے کبھی گریز نہیں کروں گا۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

جو جانتے ہیں وہ تو خیر جانتے ہی ہیں لیکن جو نہیں جانتے ہیں ان کے لئے میں کہنا چاہتا ہوں کہ اس قصہ کو قرآن میں ان مشہور آیتوں کے بعد بیان کیا گیا ہے جو عام طور پر آیۃ الکرسی کے نام سے موسوم و مشہور ہیں۔

میرے نزدیک اس قصے کو سمجھنے کے لئے ضرورت ہے کہ پہلے آیۃ الکرسی کے الفاظ پر غور کیا جائے صرف یہی ایک قصہ نہیں بلکہ آیۃ الکرسی کے بعد مسلسل چند قصے قرآن میں جو بیان کئے گئے ہیں یعنی ایک تو یہی حجاجِ ابراہیمی کا واقعہ پھر اس شخص کا قصہ جنھوں نے ایک برباد شدہ قریہ کے کھنڈر پر گذرتے ہوئے کہا تھا کہ

أَنّٰى يُحْيِي هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا کیسے جلائے گا اللہ اس کو اس کی موت کے بعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس کے بعد خدا نے ان پر موت طاری کی اور سو سال کے بعد پھر زندگی بخشی گئی یعنی عموماً لوگ جسے حضرت عزیر علیہ السلام کا قصہ کہتے ہیں اس کے بعد چار پرندوں کے مارنے اور جلانے کا قصہ ہے جو ابراہیم علیہ السلام ہی سے متعلق ہے۔ بہر حال میرے نزدیک قرآن کے ان تینوں قصوں کا تعلق آیۃ الکرسی ہی کے مضامین سے ہے، چونکہ اس وقت دوسرے قصوں سے بحث نہیں ہے۔ اس لئے صرف "حجاج ابراہیمی" کے قصہ کا آیۃ الکرسی سے میرے نزدیک جو تعلق ہے اسے بیان کرتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ آیۃ الکرسی کی ابتدا ان الفاظ سے کی گئی ہے یعنی

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ — اللہ نہیں ہے کوئی الٰہ مگر وہی جو زندہ قیوم ہے

جس کا مطلب یہی ہے کہ کائنات کا بنیادی وجود جس کا نام "اللہ" ہے اس کے خصوصی صفات کو ظاہر کرتے ہوئے قرآن نے پہلے دو چیزوں کا ذکر کیا ہے یعنی پہلی صفت تو اللہ کی الحی (زندہ) ہے اور دوسری امتیازی صفت خدا کی القیوم ہے۔

میرے خیال میں الحی کے لفظ سے ان لوگوں کی تردید کی گئی ہے جو "سرچشمۂ کائنات" کو حیاتی صفات سے محروم فرض کر کے مادے کے نام سے اس کو روشناس کراتے ہوئے کائنات کی توجیہ کرتے ہیں یعنی مذہب کے خدا اور فلسفہ کے مادے میں پہلی امتیازی صفت یہی ہے کہ مذہب کا خدا حیاتی صفات کا سرمایہ دار ہے اور فلسفہ کا مادہ حیاتی کمالات سے محروم و مفلس ہے اور سچ پوچھئے تو خدا کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں میں اختلاف کا حقیقی نقطہ یہی بحث ہے ورنہ خدا کے متعلق یہ خیال کہ وہ ایک ایسا وجود ہے جو کسی سے پیدا نہیں ہوا بلکہ خود بخود ہے ایک ایسا ناقابلِ ازالہ یقین ہے کہ خدا کے منکر ہوں یا معتقد، دونوں اس حقیقت کے ماننے پر مجبور اور بے بس ہیں۔

میں نے اپنی کتاب "الدین القیم" میں یہ تفصیل بتایا ہے کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کے متعلق اتنی بات یعنی اس کا خود بخود ہونا ایک ایسا عقیدہ ہے کہ اس کا اقرار تو خیر اس عقیدے کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقرار ہی ہے لیکن تماشا تو یہ ہے کہ اس عقیدہ کا انکار بھی ٹھیک اپنے انکار کی حالت میں الٹ کر اسی عقیدے کا اقرار بن جاتا ہے۔

میں نے اسی کتاب میں لکھا ہے کہ اس حد تک خدا کی ذات کا مسئلہ چونکہ اتنا بدیہی ہے کہ اس کا ہر انکار اسی مسئلہ کا اقرار بن جاتا ہے اسی لئے بجائے ذات کے قرآن نے اپنی بحث کا آغاز خدا کی صفات سے کیا ہے یعنی قرآن کی ابتدا الحمد للہ رب العالمین سے کی گئی ہے۔[1] اور یہاں بھی یعنی آیۃ الکرسی میں بھی بجائے ذات کے خدا کے دو امتیازی صفات الحی اور القیوم ہی کو بطور دعوی کے پیش کر کے سرہر دعوی کی دلیل قصے کے رنگ میں پیش کی گئی ہے، گویا یہ دعوی کر کے کہ اللہ اس ذات کا نام ہے جس کی امتیازی صفات زندہ ہونا اور ساری کائنات کا قیوم (تھامنے والا) ہونا ہے، آگے جو قصے بیان کئے گئے ہیں وہ ان ہی دو دعووں کے دلائل ہیں۔

میرے نزدیک حضرت عزیر کا قصہ اور چار پرندوں کا قصہ ان دونوں کا تو تعلق القیوم سے ہے اور "حجاج ابراہیمی" کے قصے کا جہاں تک میں سمجھتا ہوں الحی کی صفت سے تعلق ہے یعنی قرآن نے سرچشمۂ کائنات کے متعلق یہ دعوی جو پیش کیا ہے کہ وہ حیاتی صفات کا سرمایہ دار ہے، مادہ نہیں ہے جو حیات ولوازم حیات سے محروم ومفلس ہو! اس دعوے کی دلیل میں ایک ایسے قدیم تاریخی مناظرے کو اس نے نقل کیا ہے جس میں بحث کا "محور" سرچشمہ کائنات کی یہی امتیازی صفت یعنی حیات اور زندگی تھی۔

جس مقدمہ پر اس استدلال کی بنیاد قائم ہے قرآن ہی میں اس کا تذکرہ مختلف مقامات میں

---

[1] جس کا حاصل یہی ہے کہ وہ سارے کمالات ومحاسن جن کی تعریف وستائش کی جاتی ہے خواہ ان کمالات ومحاسن کا ظہور نباتی شکل میں ہوا ہو یا حیوانی وجمادی یا کسی اور شکل میں، قرآن مدعی ہے کہ ان سارے کمالات ومحاسن کی تعریف اور ان کی حمد وستائش اللہ ہی کے ساتھ مختص ہے۔ اور وجہ اس کی وہی ہے کہ کائنات کے کسی شعبہ میں جو کمال جو حسن وجمال نظر آتا ہے ان میں نظر ہی نہیں آسکتا تھا جب تک کہ کائنات کے اصل سرچشمہ میں وہ کمال وحسن نہ ہو، جب بنیادی وجود ہی کمالات سے خالی ہوگا تو جو چیزیں اس بنیادی وجود سے پیدا ہوئی ہیں ان میں کسی کمال کے ظہور کی آخر شکل ہی کیا ہو سکتی جو نہ تھا وہ ہوگا کیسے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب "الدین القیم" ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا گیا ہے جس کا حاصل اگر سمجھا جائے تو قرآن کی یہ مشہور آیت بھی ہو سکتی ہے، فرمایا گیا ہے کہ

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ — کیا وہ پیدا کئے گئے ہیں "غیر شئی" سے (یعنی جو کچھ نہ ہو)

اَمْ ھُمُ الْخَالِقُوْنَ — یا وہ اپنے پیدا کرنے والے خود آپ ہیں۔

جس میں دو شقوں کو پیش کر کے اور دونوں کو بدیہی البطلان قرار دیتے ہوئے خدا کے وجود کی طرف راہ نمائی کی گئی ہے، ان دو شقوں میں پہلی شق یعنی "ام خلقو من غیر شئی" کا کھلا ہوا مفہوم یہی ہو سکتا ہے کہ "غیر شئی" یعنی "لا شئی" اور "نیستی" سے "ہستی" کی پیدائش کا تصور آدمی نہیں کر سکتا اسی طرح دوسری شق یعنی ہم میں ہر شخص اپنا خالق و آفریدگار خود آپ ہو، اس کا غلط ہونا بھی بدیہی ہے۔

بہرحال پہلی شق یعنی نیستی سے ہستی کی پیدائش کا ناقابلِ تصور ہونا یہ ایک ایسی بات ہے جو ذات کے سوا صفات پر بھی صادق آتی ہے جیسے یہ بات کہ "کچھ نہ تھا" اور یکایک اسی "نہ کچھ" یا "غیر شئی" سے کچھ ہو گیا، لکڑی نہ تھی اور کرسی اچانک خود بخود پیدا ہو گئی، مٹی نہ تھی اور گھڑا خود بخود اچانک پیدا ہو گیا۔ نیستی سے ہستی کی پیدائش کی یہ ساری صورتیں جیسے ہمارے لئے ناممکن التصور ہیں۔ اسی طرح جہاں علم نہ ہو، اس سے علم کا پیدا ہونا جہاں فکر نہ ہو اس سے فکر، جہاں ارادہ نہ ہو وہاں سے ارادہ۔ الغرض جہاں زندگی نہ ہو، اس سے زندگی کا پیدا ہونا، اگر غور کیا جائے تو وہی "نیستی" سے ہستی کی پیدائش کو گویا تسلیم کر لینا ہے۔ جس کو تسلیم کرنے کی کوئی گنجائش انسانی فطرت میں نہیں رکھی گئی ہے۔

اب اسی مقدمہ کو سامنے رکھ لیجئے اور آیۃ الکرسی میں کائنات کے بنیادی وجود کی پہلی خصوصیت "الحی" (زندہ) جو بتائی گئی ہے اس قرآنی دعوے کے لئے دیکھئے کہ "حجاج ابراہیمی" سے کتنی صاف ستھری دلیل نکل آتی ہے۔ نمرود حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کے رب یعنی خدائے زندہ "الحی" کے متعلق جھگڑ رہا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس واقعہ کو پیش کرتے ہوئے کہ کائنات میں "حیات و موت" کا جو سلسلہ جاری ہے۔ گویا یہ سوال کیا ہے کہ یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زندگی اور حیات عالم کے مختلف طبقات میں آرہی ہے جارہی ہے، کہاں سے آرہی ہے؟ کیا انسان تصور کرسکتا ہے کہ زندگی وہاں سے پیدا ہو، جہاں زندگی نہیں ہے جس میں خود حیات نہیں ہے۔ کیا وہ دوسروں کو حیات بخش سکتا ہے؟ اور یہی مطلب ہے میرے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے الفاظ

رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ   میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے

کا الغرض "حیات" اور "زندگی" کے جس قانون کی نمائش اس عالم کے مختلف شعبوں میں ہورہی ہے اس قانون کی توجیہ صرف مادہ جیسے محروم الحیاۃ والکمالات وجود سے کیا ممکن ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ ایسی گرفت تھی کہ آج باوجودیکہ سائنس اور کیمیل کے تحقیقاتی مباحث عروج کے انتہائی نقاط تک پہنچے ہوئے ہیں لیکن "حیات" اور "زندگی" "روح" اور "جان" کی توجیہ مادی قوانین کی پشت پناہی میں قطعاً ناممکن ہے۔ لیکن نمرود نے اس استدلال سے گریز کی راہ اختیار کی قرآن نے ان الفاظ میں اس کے گریز کو ادا کیا ہے یعنی نمرود نے کہا۔

اَنَا اُحْیِیْ وَاُمِیْتُ   میں ہی جلاتا اور مارتا ہوں۔

نمرود کے الفاظ کا عام طور سے ایک فرضی قصے کو پیش کرکے جو مطلب بیان کیا جاتا ہے یعنی کہا جاتا ہے کہ کسی واجب القتل قیدی کو بلاکر اس نے رہائی کا حکم دیکر کہدیا کہ یہ میرے دعویٰ احیاء کا ثبوت ہے اور کسی قسمت کے مارے کو بلاکر قتل کرادینے کے بعد اس نے دعویٰ کیا کہ میری اماتت کے دعوے کا یہ ثبوت ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک غیر قرآنی قصہ ہے اور قرآنی الفاظ پر منطبق بھی نہیں ہے یعنی پہلی بات کا احیاء سے دور کا بھی تعلق نہیں، واجب القتل آدمی تو خود زندہ تھا۔ نمرود نے اس کو اگر چھوڑ دیا تو زیادہ سے زیادہ اس کی تعبیر "ابقاء حیات" سے ہم کرسکتے ہیں۔ یعنی جس کی حیات کے ازالہ پر نمرود بظاہر اپنے آپ کو قابو یافتہ محسوس کرتا تھا، بجائے ازالہ کے اس نے اس کی حیات اور زندگی کو باقی رہنے کا موقعہ دیا۔ لیکن یہ بات کہ جس میں زندگی اور حیات نہ تھی اس میں اس نے حیات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور زندگی پیدا کی جو احیاء کا مفہوم ہے اس سے نمرود کے اس مفروضہ فعل کو کیا تعلق؟ بہرحال اس خودساختہ غیر قرآنی مفروضہ قصے کو بیان کر کے عموماً مفسرین نمرودی دعوی کی جو تشریح کرتے ہیں میری سمجھ میں یہ بات کبھی نہیں آئی۔ اب رہی یہ بات کہ احیاء اس کا مطلب کیا ہے؟

جہاں تک میں خیال کرتا ہوں خواہ مخواہ ایک فرضی قصے کی طرف لوگوں کا ذہن جو منتقل ہو گیا اگر بجائے اس کے وہ نمرودی ذہنیت رکھنے والوں کے عام طریقۂ عمل پر غور کر لیتے جن کی کسی زمانے میں اور غالباً کسی مقام میں کبھی کمی نہیں رہی ہے تو مسئلہ بآسانی حل ہو سکتا تھا

مطلب یہ ہے کہ حوادث کونیہ یعنی روزمرہ پیش آنے والے واقعات کا ایک بڑا حصہ ایسا ہے جسے منسوب کرنے والے عموماً اپنی طرف منسوب کر لیتے ہیں۔ ایک کھلی ہوئی مثال اس کی مرزا غلام احمد قادیانی تھے۔ عموماً ان کی پیشگوئیوں میں آپ کو یہی بات نظر آئیگی کہ قدرتی واقعات جو قدرتی قوانین کے زیر اثر پیش آتے رہتے ہیں لیکن مرزا صاحب ان واقعات کے ایک بڑے حصہ کو اپنی طرف منسوب کر لینے کے عموماً عادی تھے مثلاً ہندوستان میں طاعون آیا، یا حیدرآباد میں طوفان برپا ہوا۔ بہار میں زلزلہ آیا، یا اسی طرح کوئی مرتا ہو، جیتا ہو مرزا صاحب موصوف اور ان کے بعد ان کے مریدوں کی عام عادت ہے کہ اسے وہ مرزا صاحب کی نبوت کی طرف منسوب کر دیتے ہیں (میں نے اسی مغالطہ کا نام قرآن کے اسی قصہ کی بنیاد پر "نمرودی مغالطہ" رکھدیا ہے) جیسا کہ میں نے عرض کیا مرزا صاحب کی اس میں کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ اس "نمرودی مغالطہ" سے کام لینے کا عادی ہر زمانہ میں انسانوں کا ایک طبقہ پایا گیا ہے۔ اور اب اس کے بعد آپ نمرود کے الفاظ پر غور کیجئے۔

انا احی وامیت　　　　میں ہی جلاتا ہوں میں ہی مارتا ہوں

یعنی ابراہیم علیہ السلام احیاء و اماتت کے اس قانون کو جو کائنات میں ہر جگہ جاری و ساری نظر آرہا تھا اسی کو خدا کی طرف منسوب کر کے حق تعالی کی اس صفت کو بیان کر رہے تھے جس کی وجہ سے خدا کی ذات مادے سے ممتاز ہو جاتی ہے لیکن نمرود نے احیاء و اماتت کے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قانون کو بجائے قدرت کے اپنی طرف منسوب کرکے

اَنَا اُحیِ وَ اُمِیتُ میں ہی جلاتا ہوں میں ہی مارتا ہوں۔

کے مغالطے کو دعوے کی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے پیش کردیا۔ گویا اس نے کہا کہ دنیا میں جو لوگ زندہ ہو رہے ہیں ان کو میں ہی زندہ کرتا ہوں اور جو مر رہے ہیں انھیں میں ہی مارتا ہوں اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ نمرود تو خیر نمرود ہی تھا جس کسی کا جب جی چاہے اس قسم کا دعویٰ کرسکتا ہے، آخر میں پوچھتا ہوں کہ دلّی میں روزانہ جو لوگ پیدا ہوتے اور مرتے ہیں اگر ان کے متعلق کوئی دلّی ہی کا رہنے والا یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ میں ہی ان پیدا ہونے والوں کو پیدا کرتا ہوں اور مرنے والوں کو مارتا ہوں تو آپ اس کا کیا کرلیں گے۔ مرزا صاحب جب ہر اس نمایاں حادثے کو جوان کے دعویٰ ہونے کے بعد ہندوستان میں پیش آتا تھا اپنی طرف منسوب کرلیتے تھے تو دنیا نے ان کا کیا کرلیا۔ اور جیسا کہ میں نے عرض کیا اس میں بیچارے مرزا صاحب کی کوئی تخصیص نہیں، سوسائٹی میں ایک طبقہ اس قسم کی نمرودی ذہنیت رکھنے والوں کا عموماً پایا جاتا ہے، ان لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ کسی کو کوئی ملازمت مل جائے کسی معاملہ میں کچھ کامیابی ہوجائے۔ تو کسی نہ کسی طرح وہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کامیابیوں کو وہ اپنی طرف منسوب کرلیں۔ اور لوگوں سے کہتے پھرتے ہیں کہ فلاں صاحب جو آج فلاں عہدے سے سرفراز ہیں خاکساری کی توجہ و کوشش کا نتیجہ ہے۔

بلکہ اہل السنت والجماعت کا جو عقیدہ خلق افعال کے متعلق ہے، اگر اسی کو واقعہ تسلیم کرلیا جائے اور جہاں تک نصاً وکشفاً واقعہ کا تعلق ہے حقیقت بھی وہی ہے جس کی یافت حضرات اشاعرہ کو ہوئی ہے لیکن ان کے مقابلہ میں معتزلہ افعال کے خالق اپنے آپ کو جو قرار دیتے ہیں تو میرے نزدیک یہ بھی "نمرودیت ہی کی ایک اعتزالی شکل ہے۔

بہرحال میرے خیال میں "نمرودی مغالطہ" مغالطہ کی دنیا میں ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے اور حاصل اس کا وہی ہے کہ حوادث کو نیز یا قدرتی واقعات کو بجائے قدرت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آدمی خواہ مخواہ اپنی طرف منسوب کرلے، نمرودی الفاظ کی تشریح اگر اس طریقہ سے کی جائے تو ہمیں قرآنی آیت کی تشریح کے لئے کسی فرضی غیر قرآنی قصہ کے فرض کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اور نہ اس اعتراض کے جواب کی ضرورت باقی رہتی ہے کہ واجب القتل مجرم کو چھوڑ کر نمرود نے تو ابقاء حیات کا کام انجام دیا تھا پھر اس کو "احیاء" قرار دینے کے کیا معنی ہوسکتے ہیں؟

ظاہر ہے کہ اس پر خود غلط مدعی کے مغالطی ادعا کے مطلب کا خلاصہ یہی تو ہوگا کہ قدرتی قوانین قدرت کی مرضی کے نہیں بلکہ اس مدعی کی مرضی کے پابند ہیں میرے نزدیک نمرود کے دعویٰ "انا احی واسیت" کے اسی حاصل کو پیش نظر رکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے سامنے یہ بات پیش کی کہ جب احیاء واماتت یعنی جلانے اور مارنے جیسے قدرتی قوانین کے متعلق تو مدعی ہے کہ تیرے قبضۂ اقتدار میں ہیں تو روزمرہ کا یہ عام حادثہ یعنی دن رات کی پیدائش بھی تیری ہی مرضی اور فرمان کے تابع ہوگی۔ کیونکہ حیات وموت کے قانون کے مقابلہ میں گردش لیل ونہار کا یہ واقعہ ایک معمولی واقعہ ہے اب اگر قدرتی قوانین تیری مرضی کے تابع ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے مطالبہ کیا کہ اس وقت تو دن اور رات کی پیدائش کا ظہور اس شکل میں ہورہا ہے کہ خدا آفتاب کو پورب سے نکالتا ہے لیکن بجائے خدا کے اگر آفتاب کا پورب سے نکلنا یہ تیری مرضی کا کرشمہ ہے تو بجائے مشرق کے آفتاب کو مغرب سے نکال کر ذرا دکھا دو اور یہی ماحصل میرے خیال میں حضرت ابراہیمؑ کے ان الفاظ کا ہے۔

فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ — اللہ لاتا ہے آفتاب کو مشرق سے تو لا تو

فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ — اس آفتاب کو مغرب سے۔

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ حوادث کونیہ اور قدرتی قوانین کو بجائے قدرت کے اپنی طرف منسوب کرنیوالے مدعیوں کو خاموش کرنے کی تدبیر اس کے سوا اور ہوہی کیا سکتی ہے یہ گرفت ہی ایسی تھی کہ

فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ — پس ہکا بکا ہو کر رہ گیا جس نے کفر کیا۔

کے سوا اس کا کوئی دوسرا نتیجہ ہو ہی نہیں سکتا تھا آگے ارشاد فرمایا گیا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ اور اللہ تعالیٰ راہ نمائی نہیں فرماتا ظلم کرنیوالوں کو

"الظالمین" ظلم کرنے والوں کو کہتے ہیں ظلم فطری حدود سے تجاوز کو کہتے ہیں قدرتی واقعات کو بجائے قدرت کے محض کسی وقتی اقتدار سے متاثر ہو کر اپنی طرف منسوب کر لینے کی عادت ظاہر ہے کہ حقیقت سے انحراف و تجاوز ہے اور ایک غلطی کے بعد انسان کی فطرت غلطیوں کے انبار کے نیچے دب کر رہ جاتی ہے، یہی وجہ ہوتی ہے اس بات کی کہ ظالم پھر حقائق و واقعات کی یافت سے محروم ہو جاتا ہے۔

"نمرود" کو کسی خاص قطعہ ارضی (یعنی میسوپٹ میا یا عراق عرب) کی حکومت ملی تھی لیکن کسی علاقہ کی حکومت کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس علاقے کے قدرتی قوانین بھی صاحب حکومت کی مرضی کے تابع ہو جاتے ہیں مگر کیا کیجئے کہ حکومت کا مغالطہ عموماً حکمرانوں کو اس مغالطہ میں مبتلا ہو جانے کی وجہ بن جاتا ہے، آج مغربی اقوام کی "نمرودیت کی بنیاد بھی اسی "ان آتاہ اللہ الملک"[1] ہی کے مسئلہ پر تو بنی ہے، حق تعالیٰ کا وقار ان کے قلوب سے آج جو نکلا ہوا نظر آرہا ہے تحلیل و تجزیہ کے بعد یہاں بھی آخر میں جو چیز "نمرودیتِ جدیدہ" کے نیچے چھپی نظر آئے گی وہ یہی "ان آتاہ اللہ الملک" کے ساتھ مغربی اقوام کی سرفرازی ہے۔ بلکہ مشہور قرآنی آیت

اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ؀ قطعاً زمین کا وارث اللہ تعالیٰ اپنے صالح بندوں کو بناتا ہے۔

میں جس "وراثت" کو حق تعالیٰ نے اپنے صالح بندوں کی طرف منسوب کیا ہے اس وراثت کا ترجمہ لوگوں نے حکومت کے لفظ سے کر کے خود اپنے آپ کو اور دوسروں کو جو مغالطہ میں مبتلا کر دیا ہے اس کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ "وراثت" نام ہے اس چیز کا کہ "مورث" جس اقتدار کو کسی شے کے متعلق رکھتا تھا وارث تک جب وہی اقتدار منتقل ہو جاتا ہے تب کہتے ہیں فلاں مورث کا فلاں

---

[1] یہ کہ خدا نے اس کو ملک عطا کیا تھا ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شخص وارث ہوگیا، اب ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اپنے عباد صالحوں کی طرف جس وراثت کو حق تعالیٰ نے منسوب فرمایا ہے، کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ خدا کی وراثت ہے جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے جن بندوں کو ان کے صلاح و تقوی کی وجہ سے اپنا محبوب بنا لیتے ہیں ان کے ساتھ یہ برتاؤ اختیار کیا جاتا ہے کہ ان کا ارادہ گویا خدا کا ارادہ اور ان کا اقتدار گویا خدا کا اقتدار بن جاتا ہے۔ صحیح بخاری کی مشہور حدیث میں اسی مضمون کو ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے کہ ایسے محبوب بندوں کی خدا وہ آنکھ بن جاتا ہے جن سے وہ دیکھتے ہیں اور ان کی وہ شنوائی بن جاتا ہے جن سے وہ سنتے ہیں، ان کا ہاتھ بن جاتا ہے جن سے وہ پکڑتے ہیں اور پاؤں بن جاتا ہے جن سے وہ چلتے ہیں، میرے خیال میں تو جس وراثت کا ذکر عباد صالحون کے متعلق قرآن میں کیا گیا ہے اسی قرآنی وراثت کی تفسیر و تشریح دوسرے الفاظ میں بخاری کی اس حدیث میں کی گئی ہے، حاصل اس کا یہی ہے کہ ان عباد صالحون کو وہ اقتدار بخشا جاتا ہے جو خالق کے سوا مخلوقات کے متعلق اور کسی کو حاصل نہیں ہے آگے کی آیت

اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ۝ اسی میں بلاغ (صلائے عام) ہی عبادت کرنے والوں کے لئے

سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ "عباد صالحوں" سے یہاں مراد بنی آدم کا وہ طبقہ ہے جس نے "عبدیت" کے مقام پر اپنے قدم کو استوار کیا ہو اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے متعلق مسلمانوں کے ارباب صدق و صفا میں ہمیشہ سے بعض خاص اصطلاحات مشہور بھی ہیں سمجھا جاتا ہے کہ "عبدیت" کے مقام پر قدم جمانے والے لوگ قطبیت و غوثیت، اوتادیت وغیرہ وغیرہ کے مقامات سے سرفراز ہوتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ ان بزرگوں کو حق تعالیٰ کی طرف سے ایسے اقتدارات بخشے جاتے ہیں جن کی وجہ سے وہ ہر قسم کے تصرفات پر قادر بنا دیئے جاتے ہیں۔[1]

---

[1] اگرچہ صوفیاء کرام کا یہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے لیکن علماء رسوم کہتے ہیں کہ شریعت میں ان کے اس خیال کی کوئی بنیاد نہیں پائی جاتی مگر جس مجمل کو آیت وراثت کے متعلق فقیر پیش کر رہا ہے اس سے ایک طرف ایک قطعی نص اس صوفیانہ عقیدہ کی بنیاد بن جاتا ہے اور دوسری طرف اس آیت کی ایک ایسی تفسیر میسر آجاتی ہے جس پر اس قسم کے اعتراضات وارد نہیں ہوتے جو دوسری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واقعہ یہ ہے کہ ان کی "وراثت" بلاشبہ ایسی "وراثت" ہو سکتی ہے جسے ہم خدا کی صحیح "وراثت" قرار دے سکتے ہیں۔ اور "عباد صالحون" اور "قوم عابدین" کے الفاظ کے انطباق میں بھی کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ [1]

لیکن محض "ان آتاہ اللہ الملک" یعنی کسی خاص علاقہ کی حکومت اور بادشاہی کے حاصل ہو جانے کے بعد ہر قسم کے الٰہی اقتدار کا محور اپنی ذات کو ٹھیرا لینا جیسا کہ نمرود نے ٹھیرا لیا تھا اور حکومت کے نشہ میں بدمست ہو کر احیاء و اماتت کے قدرتی قوانین کو اپنی ذات کی طرف منسوب وہ کر رہا تھا۔ مغالطہ کے سوا اور کیا ہے اور میں تو سمجھتا ہوں کہ عباد صالحون کی وراثت کی آیت کو بھی جن لوگوں نے سیاسی اقتدار رکھنے والی قوموں کی طرف منسوب کر دیا ہے، یہ بے چارے بھی کچھ اسی نمرودی مغالطہ کے شکار ہو گئے۔ بلکہ "نمرود" سے بھی زیادہ لایعنی مغالطہ "نمرود" تو سیاسی اقتدار کے نشہ میں خود مبتلا تھا اور ان بے چاروں پر تو "سیاسی اقتدار" یا حکومت کے اقتدار کا رعب اتنا طاری ہوا کہ دوسروں میں اس اقتدار کو محسوس کر کے انھوں نے خدائی اقتدارات کا وارث ان کو قرار دیدیا۔ اور اسی مغالطہ کا آج یہ نتیجہ ہے کہ "سیاسی اقتدار" ہی کو لوگوں نے سب کچھ سمجھ رکھا ہے۔ مجھے اس سے انکار نہیں ہے کہ "سیاسی اقتدار" بھی اقتدار کی ایک بڑی اہم شکل ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ سیاسی اقتدار ہی سب کچھ ہے۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ آیت وراثت کے متعلق یہ خیال کہ اس سے مراد سیاسی اقتدار رکھنے والے لوگ ہیں آدمی کو مجبور کرتا ہے کہ نہ صرف فساق و فجار ہی کو بلکہ کفار و ملاحدہ زنادقہ اور بے ایمانوں کے متعلق یہ مان لے کہ عباد صالحین اور قوم عابدین ہونے کی سند ان کو قرآن عطا کر رہا ہے کیونکہ آج ہی نہیں بسا اوقات سیاسی اقتدار کی باگ اسی قسم لوگوں کے ہاتھوں میں پائی گئی ہے گیا ایک لمحہ کے لئے کوئی یہ مان سکتا ہے کہ یورپ کی جن قوموں کو آج دنیا میں سیاسی اقتدار حاصل ہے یہ خدا کے عبادِ صالحین ہیں، کیا خدا کے ان دشمنوں کو قوم عابدین کے ذیل میں کسی حیثیت سے بھی شریک کیا جا سکتا ہے؟ اسی طرح بعضوں کا یہ خیال کہ "الارض" سے مراد یہاں "ارضِ جنت" ہے یا یہ دعویٰ کہ زمین کے حقیقی وارث تو عباد صالحین ہیں اور کفار و فساق کا قبضہ غاصبانہ ہے۔ تاویلاتِ باردہ کے سوا اور بھی کچھ ہیں بعض بزرگوں نے اس آیت کو صحابہ کرام کے سیاسی اقتدار کی پیشگوئی جو قرار دی ہے وہ بھی اس لئے محل نظر ہے کہ ان فی ھذا البلاغا لقوم عابدین سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک دوامی قدرتی کلیہ ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

افسوس ہے کہ "نمرودی ذہنیت" رکھنے والی یورپین قوموں نے سیاسی اقتدار کے حاصل کر لینے کے بعد چونکہ اس نمرودی مغالطہ کو دہرانا شروع کر دیا کہ اب سب کچھ ہم ہی ہیں انھوں نے بھی لوگوں کو کچھ یہی باور کرا دیا ہے کہ آج مارنا اور جلانا سب ہمارے ہاتھ میں ہے جس قوم کو ہم چاہیں زندہ رکھیں اور جسے چاہیں موت کے گھاٹ اتار دیں۔ نمارد عصر کے اسی مشاغبہ نے آج اچھے اچھوں کو اس مغالطہ میں مبتلا کر دیا۔ اور ہر چیز سے ہٹ کر یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ لوگوں نے اپنی ساری توجہات کا مرکز "سیاست" ہی کو بنا لیا ہے حالانکہ قرآن آج بھی

إِنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ   قطعا الارض (زمین) کا وارث بناتا ہے خدا اپنے نیک بندوں کو

وَإِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عَابِدِينَ   اور اس میں بلاغ (صلائے عام) ہے ان لوگوں کیلئے جو عبادت گذار ہیں

کا صلائے عام دے رہا ہے" الٰہی وراثت" کے خواہشمندوں کے لئے آج بھی میدان کھلا ہوا ہے۔ صلاح کی راہیں یقیناً ابھی بند نہیں ہوئی ہیں اور "قوم عابدین" میں شریک ہونے کی تیاریوں میں آج بھی اگر کوئی مصروف ہو تو جہاں تک میں جانتا ہوں کوئی روکنے والا کسی کو روک نہیں سکتا۔

بہر حال میرے نزدیک حجاج ابراہیمی کے قصہ کا تو آیۃ الکرسی کے دعوی "الحی" سے تعلق ہے باقی دو قصے یعنی عزیر علیہ السلام اور چار پرندوں کے قصے ان کا تعلق "القیوم" کے دعوے سے ہے۔ انشاء اللہ کسی آئندہ صحبت میں ان کے متعلق بھی اپنے ناچیز خیالات کو پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔

© rasailojaraid.com